قادیان کے مقدس مقامات کے محافظ۔ درویشان قادیان

بھوکے۔ بے کس۔ کمزور۔ نہتے مگر بلند عزم اور پاکدامنی کے مجسمے

مرتبہ: مکرم ذیشان محمود صاحب

نوٹ: یہ مضمون ہفت روزہ بدر قادیان کے درویشان قادیان نمبر 2011ء سے تیار کیا گیا ہے۔

مکرم مولانا محمد حمید کوثر صاحب لکھتے ہیں:۔

ماہ اگست ستمبر 1947ء میں ہر طرح کا ظلم افراد جماعت قادیان پر کیا گیا کہ وہ کسی طرح محلّہ احمدیہ اور مقامات مقدسہ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ مگر جب خالی کرانے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تو ماہ اکتوبر 1947ء میں حکومت اور مقامی حفاظتی اور انخلاپر متعین ملٹری کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ جماعت احمدیہ کے افراد کسی صورت میں اپنے مقامات مقدسہ کو چھوڑنے والے نہیں۔ دوسری طرف ماہ اکتوبر میں سارا مشرقی پنجاب ...... آبادی سے خالی ہو چکا تھا۔ سوائے اس چھوٹے سے قصبے (محلّہ احمدیہ قادیان) کے جسے خالی نہیں کرایا جاسکا تھا۔ آخر حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ جماعت احمدیہ کے عہدیداران سے بات چیت کر کے مفاہمت کی راہ نکالی جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ماہ اکتوبر 1947ء کے نصف آخر میں دہلی سے سرکاری افسران قادیان آئے۔ اور جماعت کے عہدیداران سے بات چیت کرتے رہے آخر یہ طے پایا کہ ایک معین تعداد کو محلّہ احمدیہ کی حدود میں مقیم رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ طویل بات چیت کے بعد یہ تعداد کم و بیش تین صد تیرہ تک پہنچی۔ اس مفاہمت کے بعد مورخہ 16 نومبر 1947ء کو قادیان سے ہجرت کرنے والوں کا آخری قافلہ اس سڑک سے ٹرکوں کے ذریعہ روانہ ہوا جو حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی کوٹھی (حال دفتر بجلی بورڈ) کی مغربی جانب سے شمال کی طرف جاتی ہے۔ جانے والوں نے اپنے دلوں پر پتھر رکھتے ہوئے مقامات مقدسہ اور مزار حضرت مسیح موعود کو الوداع کہا اور ایک مجہول منزل کی طرف چل پڑے۔ پیچھے رہ گئے (تقریباً) تین سو تیرہ افراد جن کو درویشان قادیان کا خطاب دیا گیا اور یہ ایک مخدوش اور مجہول مستقبل میں جینے کے لئے مقامات مقدسہ کی طرف لوٹ آئے۔ تین صد تیرہ کی معمولی تعداد دیکھ کر تخریب کار شر پسند عناصر کے حوصلے مزید بلند ہوگئے وہ یہ خیال کرنے لگے کہ اس معمولی تعداد کو تو ہم کسی وقت بھی صفحہ ہستی سے مٹا کر ان کے مقدس مقامات پر قبضہ کر لیں گے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے کوششیں تیز کر دی گئیں۔

بہشتی مقبرہ کی حفاظت

ان درویشان کرام کا فرض اول مقامات مقدسہ کی حفاظت اور ان کو آباد رکھنا تھا۔ چنانچہ اس فرض کو انہوں نے بڑی خوش اسلوبی اور صبر و دعا کے ساتھ ادا کیا۔ رات دن ڈیوٹیاں اور پہرے دیتے اور پانچ وقت نماز باجماعت اور تہجد بھی ادا کرتے رہے۔ وقار عمل بھی کرتے رہے۔ اور ہر جمعرات اور سوموار کو نفلی روزے بھی رکھتے رہے۔ اس بے سروسامانی اور نامساعد حالات میں ان کا توکل فقط اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ بظاہر ان کے پاس وہ کچھ بھی نہیں تھا جس پر وہ سہارا و تکیہ کرسکیں۔

قادیان کے جنوب مشرق کی طرف ڈھاب تھی یہ ایک قدرتی روک تھی جسے عبور کرنے سے شر پسند و تخریب کار عناصر ڈرتے تھے۔ اس لئے دارالمسیح اور محلّہ احمدیہ کا اندرونی حصہ کسی حد تک محفوظ تھا مگر ڈھاب کے اس پار جنوب مشرقی حصہ جہاں بہشتی مقبرہ تھا غیر محفوظ تھا۔ اس وقت اس کے اردگرد چاردیواری یا کوئی روک بھی نہ تھی۔ تخریب کار بہشتی مقبرہ پر قبضہ کر کے قبور کی بے حرمتی کرنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بہشتی مقبرہ میں قبضہ کے بعد آگے محلّہ احمدیہ پر بھی قبضہ کیا جاسکے گا۔

ان خطرات کے سدباب کے لئے درویشان کرام نے پہرے کا انتظام کیا دس دس بارہ بارہ درویشان رات دن ڈیوٹیاں دیتے تھے جن کے پاس سوائے ڈنڈوں کے اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ رات کے اندھیرے میں تخریب کار حملے کے لئے جنوب کی طرف جمع ہوتے اور بہشتی مقبرہ کی حدود سے کچھ فاصلے پر ٹھہر جاتے اور مشورے کرتے مگر اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کرتے اور کچھ دیر رک کر واپس چلے جاتے۔ راقم حروف کے والد مکرم محمد شریف صاحب مرحوم بہشتی مقبرہ کی جنوب کی طرف موضع ننگل کے نزدیک کاشتکاری کے لئے زمین ٹھیکے پر لیا کرتے تھے ان کھیتوں میں ہل چلانے کا کام ننگل میں آ کر آباد ہونے والے بھلڑ خاندان کے لوگ کرتے تھے۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ 1947ء میں باہر سے تخریب کار آتے اور ہم بھی ان میں تماشہ دیکھنے کے لئے شامل ہو جاتے وہ بہشتی مقبرہ کی طرف بڑھتے اور کچھ فاصلے پر جا کر ٹھہر جاتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ وہ کہتے تھے قبروں کے کتبات کے پیچھے بندوقوں والے چھپے ہوئے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم ایک قدم بھی آگے بڑھے تو وہ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ کچھ دیر وہاں رک کر یہ چار پانچ صد تخریب کار یہ کہتے ہوئے واپس آ جاتے کہ اگلی بار زیادہ حملہ آور جمع کر کے آئیں گے۔ ننگل کے سکھ دوست بتاتے تھے صبح جب ہم بہشتی مقبرہ جا کر دیکھتے وہی چند ڈیوٹی والے ہوتے جنہیں ہم سورج غروب ہونے سے پہلے دیکھ کر آئے تھے۔

منارۃ المسیح پر حملہ

تقسیم ملک کے پُر آشوب اور خطرناک حالات میں بھی درویشان کرام نے منارۃ المسیح کی تعمیر کے مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور جسے بھی موقعہ ملتا وہ منارۃ المسیح کی 92 سیڑھیاں چڑھ کر نداء بلند کرتا۔ اس وقت لاؤڈ سپیکر بھی نہیں تھا بلکہ منادی کو منارہ کی تیسری منزل پر چڑھ کر نداء دینی ہوتی تھی۔ مکرم سراج الدین صاحب درویش منارۃ المسیح پر چڑھ کر انتہائی خطرناک اور مخدوش حالات میں بھی شرپسندوں کی فائرنگ اور گولیوں میں نداء دیا کرتے تھے۔ جونہی نداء شروع کرتے آپ کو گولی سے مارنے کے لئے نشانہ بنایا جاتا مگر یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے آپ کو محفوظ رکھا۔ کوئی گولی آپ کے دائیں طرف سے نکل جاتی اور کوئی بائیں طرف سے۔

یہاں یاددہانی کے طور پر تحریر ہے کہ منارۃ المسیح پر مورخہ 2/اکتوبر 1947ء اور 10/اکتوبر 1947ء کو بم مارے گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی اور کسی بڑے نقصان سے محفوظ رکھا۔

باہمی اخوت و محبت

ایک درویش وفات پا گئے ان کے ذمہ وصیت کا کچھ چندہ بقایا نکلا جو ان حالات کے لحاظ سے بڑی رقم تھی۔ درویشوں نے دو دو تین تین روپے جمع کر کے بقایا کی رقم ادا کر دی یہ وہ مومنانہ اخوت تھی جو ان درویشان میں پائی جاتی تھی۔

جب کسی درویش کی شادی ہوتی تو وہ تمام درویشان کے لئے دعوت ولیمہ کا انتظام نہ کرسکتا تھا چنانچہ اس کا حل یہ نکالا گیا کہ تمام درویشان جو لنگر خانہ سے کھانا لیتے یا گھروں میں پکاتے اپنا اپنا کھانا لے کر دلہے کے ساتھ تناول فرماتے اور دلہے کی طرف سے تھوڑا تھوڑا زردہ دے دیا جاتا تھا۔

اگر کسی درویش کے والدین میں سے کوئی بیرون قادیان فوت ہو جاتا تو تقریباً سارے اس غمزدہ سے اظہار تعزیت کرتے اور اسے صدمے کی حالت میں اکیلا نہ چھوڑتے تھے۔

تقسیم ملک کے پانچ چھ سال بعد صدر انجمن احمدیہ کے ذرائع آمد محدود ہو گئے بہت سے درویشوں کو جو معمولی گزارہ دیا جاتا تھا اسے دینے سے بھی معذرت کر دی گئی اور کہا گیا کہ آپ لوگ اپنے معاش کا خود انتظام کریں۔ چنانچہ درویشان کرام نے اس مجبوری کو سمجھا اور اپنے اپنے گزارے کے لئے مختلف کام شروع کر دیئے بعض درویش جو زمیندار گھرانوں و خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے ایکڑوں کے حساب سے زمین اور ہالی (ہل چلانے والے تھے) رکھتے تھے۔ وہ یہاں چند کنال زمین ٹھیکے پر لے کر اپنے ہاتھوں سے کھیتی باڑی کرنے لگے۔ جن درویشوں کو کسی کام و تجارت کا تجربہ نہ تھا اصحاب تجربہ نے انہیں اپنے ساتھ شریک رکھ لیا۔ یہ محنت لگن ایمانداری سے کام کرتے رہے اور گزارے کی صورت نکلتی رہی۔ بہت سے درویشوں نے گائے بھینسیں اور مویشی پالنے کا سلسلہ شروع کیا ان کا دودھ خود بھی استعمال کرتے اور فروخت کر کے آمد بھی پیدا کرتے۔

درویشان کرام نے اپنی گزر بسر کے لئے جو بھی تجارت یا کاروبار یا محنت اور مزدوری کی اسے اس حد تک ہی محدود رکھا کہ گزر بسر ہو جائے۔ بہت بڑے منافع حاصل کرنا ان کے پیش نظر نہ تھا۔ بلکہ اصل مقصد مقامات مقدسہ کی حفاظت، ان کی آبادی، ان میں عبادت کرنا، دعائیں کرنا، خدمت دین بجالانا ان کا مقصود تھا۔ جسے انہوں نے کبھی فراموش نہ کیا۔

خوددار صابر

1960ء کے دھاکے میں صدر انجمن احمدیہ کے مالی حالات رفتہ رفتہ بہتر ہونے لگے تب بھی غیور درویشان اپنے اخراجات کا بوجھ صدر انجمن احمدیہ پر ڈالنا پسند نہ کرتے تھے اور حتی الامکان کوشش کرتے کہ اپنے ذرائع کو بروئے کار لا کر اپنے اخراجات کا انتظام کر لیں۔ ایک دفعہ خواجہ دین محمد صاحب درویش مرحوم، مولانا عبدالرحمٰن صاحب (سابق ناظر اعلیٰ و امیر جماعت) کے پاس ماہ دسمبر یا جنوری سردیوں کے موسم میں آئے اور کہنے لگے کہ گھر میں گندم ختم ہوگئی ہے۔ مولانا صاحب نے خیال کیا کہ یہ امداد کے خواہاں ہیں۔ مولانا صاحب نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور انہیں دیتے ہوئے کہا کہ نظارت علیاء کے کارکن مرزا عبداللطیف صاحب درویش مرحوم کے پاس چلے جائیں۔ اس پر خواجہ صاحب نے عرض کی کہ مجھے امداد نہیں چاہئے بلکہ ایک ماہ کی رخصت چاہئے، میں اینٹیں بنانے والے بھٹے پر کام کروں گا۔ حضرت امیر صاحب نے رخصت منظور کر لی۔ ایک ماہ کے بعد وہی خوددار درویش مولانا صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے یہ پچیس روپے چندہ لیں۔ پونے دو سو روپے کی میں گندم خرید لوں گا۔ سردیاں آسانی سے گزر جائیں گی نئی فصل پر پھر خرید لوں گا۔ (صفحہ 62)

درویشان کا محاصرہ اور بائیکاٹ

مکرم صدر الدین عامل بھٹہ صاحب درویش

لکھتے ہیں۔

16 نومبر 1947ء کو جب ہجرت کر جانے والوں کا آخری کانوائے رخصت ہو رہا تھا اور لوگ قہر آلود نظروں سے ہم کو دیکھ رہے تھے۔ اور ہم بھی جانتے تھے کہ اب جبکہ انہیں معلوم ہے کہ ہم اس قدر قلیل ہیں اور غیر مسلح ہیں تو ضرور یہ اپنے دل کے بخار نکالنے کی کوشش کریں گے۔ حالات بعد میں معلوم ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ مخالفین نے مضافات سے بھی لوٹ مار اور قتل و غارت کا شوق رکھنے والوں کو اس موقعہ پر دعوت دے رکھی تھی کہ وہ آئیں اور اس آپریشن میں ان کا ساتھ دیں۔ رات جب ان کی میٹنگ ہوئی تو مختلف آراء کے بعد کسی جہاندیدہ نے یہ بات کہی کہ سمجھ سے کام لو۔ اور تشدد کا راستہ اختیار نہ کرو۔ یہ چند لوگ جو ٹھہر گئے ہیں۔ آخر یہ بھی تو کچھ کر گزرنے کا عزم لے کر ہی ٹھہرے ہیں۔ جو شخص اپنی جگہ پر ہوتا ہے وہ محفوظ ہوتا ہے اور جو کھل کر حملہ کرتا ہے ہمیشہ اس کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے ایسا نہ ہو کہ تم ان چند سو کو مارنے نکلو اور خود اپنے دو چار ہزار افراد مروا کر تمہیں پتہ چلے کہ یہ غلطی ہو گئی ہے اور چونکہ یہ لوگ گورنمنٹ کی اجازت سے ٹھہرے ہیں۔ سرکار کا عتاب بھی آپ پر ہی گرے گا۔ اس بات پر پھر سوچ میں پڑ گئے اور بالآخر یہ طے ہوا کہ ایک تو ان لوگوں کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے جب انہیں ضروریات زندگی نہ ملیں گی تو خود بخود بھاگ جائیں گے۔ دوسرے ان کے خلاف مسلسل سرکار کے پاس شکایات کی جائیں کہ ان لوگوں کے پاس بہت سا اسلحہ ہے۔ سرکار ان کی تلاشی لے کر ان سے اسلحہ برآمد کرے یہ سکیم پاس ہو جانے پر پورے شہر کی طرف سے بائیکاٹ کر دیا گیا پورے شہریوں نے سختی سے پابندی کی نہ تو کوئی چیز ہمارے پاس بیچتا تھا نہ چکیاں آٹا پیس کر دیتی تھیں اور نہ خاکروب گھروں کی صفائی کے لئے آتے تھے بڑی آزمائش آن پڑی تھی جو آٹا پیا ہوا موجود تھا وہ چند روز میں ختم ہو گیا۔ اور ایک بار پھر وہ آزمودہ نسخہ یعنی گندم ابال کر کھانے کا کام آیا بس تھوڑا سا فرق تھا یہ کہ نمک مرچ میسر تھا اور پینے کا پانی حسب ضرورت مل جاتا تھا۔ ہاتھ کی چکیاں دو بیت اقصیٰ میں اور ایک لنگر خانہ میں اور چند ایک پرائیویٹ مکانوں سے سٹور کردہ موجود تھیں جن سے ایک محدود مقدار میں آٹا بنایا جاتا تھا وہ بزرگوں کے میس میں اور بیماروں کو پرہیزی خوراک کے طور پر کام آتا تھا باقی تمام نوجوان درویش ابلی گندم پر گزارہ کرتے تھے۔
(صفحہ 34)

زبانی ایذاء رسانی پر صبر

مکرم چودھری فیض احمد گجراتی صاحب درویش لکھتے ہیں۔

ہمارے صبر وضبط اور عادی سخت جانی نے دشمن کے مشتعل جذبات کو سرد کر دیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ نفرت کی وہ دیوار ایام کی رگڑ سے گر گئی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام اہل شہر سے ہمارے تعلقات بہتر ہوتے چلے گئے۔ گو ہمیں ابتدائی زمانہ میں قادیان سے باہر جانے کے لئے اسکورٹ کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ اور حکومت نے از خود ایسا انتظام کر دیا تھا۔

البتہ ابتدائی دور میں جب ہمارا بائیکاٹ کیا گیا تو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسا انتظام کر دیا کہ انہی مخالفین میں سے ہی ہمارے ہمدرد پیدا ہو گئے اور چند ہی روز کے بعد یہ بائیکاٹ ختم ہو گیا۔ بائیکاٹ کے ایام میں بھی ہمارے بعض ہمدرد ہمیں ضروریات کی اشیاء رات کی تاریکیوں میں لا کر دیتے رہے۔ اور اس طرح ہم کسی مالایطاق تکلیف سے محفوظ رہے۔

اعزاء کی پردیس میں وفات پر صبر

ایسے مواقع تو تمام درویشوں پر آئے جب کہ انہیں اپنے بہت قریبی اور جان سے پیارے عزیزوں کی دائمی مفارقت کے صدمات برداشت کرنے پڑے۔ کسی کی بیوی وہاں فوت ہو گئی۔ کسی کا پیارا اور غمخوار اور شفیق باپ اس جہان سے گزر گیا۔ اور کسی کی ماں اپنی ممتا ساتھ لئے ملک عدم کو سدھار گئی۔ کسی کا بھائی لقمہ اجل بن گیا اور دوسرے رشتہ داروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ یہ ایسے صدمات تھے جو بعد مکانی کے باعث اپنے اندر بہت شدت رکھتے تھے۔ بالخصوص اس لئے کہ آمد و رفت کی سہولیات مفقود تھیں۔ ان صدمات کے طبعی اثرات سے کون محفوظ رہ سکتا ہے۔

ایسے مواقع پر ہمارے احساس کے تار جھنجھنا کر رہ جاتے تھے اور ان رشتہ داروں کے دم واپسیں پہنچ نہ سکنے کی حسرت اور کوئی خدمت نہ کر سکنے کی محرومی دلوں پر نشتر چلاتی تھی۔ مگر حالات کی بے بسی بالآخر صبر کی راہ دکھاتی تھی۔

چاہے تو جتنا تڑپ لے اے دل غمگیں مگر
مایہ آرام جز صبر و رضا کچھ بھی نہیں

اور پھر مرور ایام کے ساتھ وہ اضطراب خود سکون بن جاتا تھا۔

لیکن اس دور درویشی میں ایک موقع ایسا بھی آیا کہ صبر وضبط کے سارے بندھ ٹوٹ گئے تھے۔ اور آنکھوں سے چشمے پھوٹ پھوٹ کر بہہ نکلے تھے اور قلوب درد اور ٹیسوں کی آماجگاہ بن گئے تھے۔ اور ہم روئے جتنا رو سکتے تھے۔ 8 نومبر 1965ء کا دن تمام درویشوں کے لئے روز قیامت تھا۔ جب ہمارے دل وجان سے زیادہ پیارے اور تمام خونی رشتوں سے زیادہ عزیز اور محبوب آقا جماعت احمدیہ کے محسن امام سیدنا حضرت مصلح موعود کے وصال کی دردناک خبر آئی تھی۔ ہر درویش کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ کیونکہ وہ مقدس آقا ہمیں ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ وہ درویشوں کا روحانی باپ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پوری ہوئی اور وہ متاع بے بہا ہم سے چھن گئی۔

اسی طرح سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب فوت ہوئے تو تمام درویشوں نے یہی سمجھا کہ آج ہم ایک تسکین بخش سائے سے محروم ہو گئے ہیں۔ آپ تمام درویشوں کے ایک محسن و مشفق مربی تھے اور متواتر سولہ سال تک ایک مہربان ماں کی طرح ہم سب پر سایہ فگن رہے آپ کی وفات پر بھی تمام درویشوں نے یہی سمجھا کہ آج ہم ایک تسکین بخش سائے سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ موقع بھی ایسا تھا کہ تمام درویشوں نے اپنے محسن و مربی کی یاد میں بے اختیار آنسو بہائے۔ (صفحہ 48-47)

پاکدامنی کے مجسمے

مکرم بدر الدین عامل بھٹہ صاحب درویش لکھتے ہیں۔

اس زمانہ میں کئی آزمائشیں آئیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے درویش اس میں سرخرو ہو کر نکلے۔ 1948ء کے شروع میں ایک طائفہ کو کسی نے تحریک کی کہ قادیان میں تین سوا تین سو افراد بالکل تجرد کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس نے سوچا کہ یہ تو بڑا نادر موقع ہے۔ وہ امرتسر سے آ کر محلہ احمدیہ میں ایک شخص رام سنگھ کے مکان کو کرایہ پر لے کر رہ پڑی (واضح رہے کہ احمدیہ ایریا میں پانچ گھر دفتر تحریک جدید والی گلی میں موجود تھے اور ایک گھر محلہ آرائیاں کو جانے والی گلی میں منشی عبدالحق صاحب بدوملہی کے مکان کے عین سامنے تھے یہی مکان رام سنگھ کا تھا) اس کو یہاں رہتے ہوئے دو تین ماہ گزر گئے۔ ایک روز وہ تانگہ منگوا کر اپنا سامان اس میں رکھوا رہی تھیں محلہ میں کام کرنے والی ایک خاکروبہ نے اس سے پوچھا کہ بی بی ابھی تو تھوڑا عرصہ ہوا آپ آئی تھیں اب اتنی جلدی واپس بھی جا رہی ہو۔ تو اس نے اس کو جواب دیا کہ یہ سب سنڈاں نے ان میں کوئی مرد کا بچہ نہیں۔ اس کے الفاظ درویشان کی پاک دامنی کے اظہار میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (صفحہ 35)

تجردانہ صبر

مکرم چودھری فیض احمد صاحب گجراتی درویش لکھتے ہیں۔

قادیان میں بیوی بچوں اور رشتہ داروں کا نام و نشان نہ تھا۔ احساس درد و غم سے ناآشنا در و دیوار تھے یا ہم تھے۔ تجرد کا یہ زمانہ چار پانچ سال تک ممتد رہا۔ اس موقع پر گو یہ ایک لطیفہ ہے مگر مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے جذبات لطیف سے عاری نہ سمجھیں گے۔ اس لئے یہ لطیفہ عرض ہے کہ ابتدائے درویشی میں ہمارے احمدیہ محلہ میں آٹھ سال کی عمر کا ایک کم سن احمدی بچہ محمد صدیق نام تھا۔ جو ہمارے ایک سابق درویش نور محمد صاحب ماشکی حال مقیم ربوہ کا بیٹا تھا۔ چھوٹا سا قد۔ موٹے نقوش۔ گہرا سانولا رنگ۔ اور ان پڑھ۔ لیکن طبعی جذبے کی مجبوری! کہ وہی بچہ ہم سب کی آنکھ کا تارا تھا ایک درویش اسے اپنے کندھے سے اتارتا تھا اور دوسرا سوار کر لیتا تھا۔ وہ اکیلا راکب تھا اور ہم سب مرکب تھے۔ یہ ایک طبعی جذبہ تھا جسے ہزار کوشش کے باوجود دبایا نہیں جا سکتا۔ اسے کندھے پر بٹھا کر کس کس درویش کو اپنے بچے یاد آئے ہوں گے۔ اور اس نے اپنے جذبات کے دھارے کے سامنے کس طرح بند باندھا ہوگا اور اس بچے کی قربت نے کتنی فرقتوں کو جراحت دل کی دعوت دی ہوگی۔ یہ ایک داستان ہے جسے خود پر وارد کر کے ہی لذت یاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن کون لذت یاب ہوگا۔ ع

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

بیوی۔ بچوں کا صبر وثبات

ہم میں سے اکثر کے بیوی بچوں کو قریبی یا دور کے رشتہ داروں کے ہاں پناہ ملی تھی اور وہ رشتہ داری کے احترام میں یا خونی رشتوں کی لاج کے مدنظر ان کے متکفل بن گئے تھے۔ اور جن درویشوں کا کوئی رشتہ دار پاکستان میں نہ تھا ان کا تکفل خدا کے فضل سے جماعت کے ذمہ تھا۔ ایک منظم جماعت کی موجودگی میں، چاہے وہ اس وقت کیسے کٹھن حالات سے دوچار تھی۔ ہم ان تفکرات سے بالکل بے نیاز تھے اور پھر جب جماعت کے لئے قربانی کا مسئلہ تھا تو ظاہر ہے کہ ہمارے ساتھ ہمارے بیوی بچوں کو بھی تکلیفیں برداشت کر کے قربانی دینا تھا۔ کیونکہ بیشک ذبح تو دنبہ ہی ہوتا ہے لیکن قربانی کرنے والے کی جیب بھی تو متاثر ہوتی ہے۔ پس ہم اور ہمارے بیوی بچے مشترکہ طور پر قربانی کے راستہ پر گامزن تھے۔ اور یہ جماعتی تربیت کی پختگی تھی کہ ہمارے بیوی بچے بھی باوجود ایک ہمت شکن آزمائش کے اس قربانی پر مطمئن تھے۔ اور یہ امر ہماری جماعت کے لئے قابل مبارکباد ہے جس نے عمدہ تربیت کے ذریعہ سے اپنے افراد کے دلوں میں یہ جذبے پیدا کئے۔ ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت مصلح موعود کی طرف سے یہ معجزہ ملا تھا کہ آپ کے ایک اشارے پر آپ کے 313 غلاموں نے اجتماعی قربانی کے لئے اپنی گردنیں رکھ دیں۔ اور ان کے بیوی بچوں نے بھی صبر وثبات کا مظاہرہ کیا۔ (صفحہ 45-44)

درویشوں کی شادیاں

مکرم بدر الدین عامل بھٹہ صاحب درویش لکھتے ہیں۔

تجرد کی زندگی بسر کرتے ہوئے تین سال گزر گئے اور اب یہ ماحول اس قدر خشک اور ویرانی کا ماحول تھا کہ ہم بچہ رونے کی آواز تک سننے کو ترس گئے تھے۔ مگر اس کا اظہار صرف اور صرف اپنے پیارے رب سے ہی کرتے تھے۔ اور کسی سے نہیں وہی ہماری دلی کیفیات کو جانتا تھا۔ اور اسی نے خلیفہ برحق حضرت المصلح الموعود کو ہمارے حالات کی اطلاع دی اور حضور انور کی طرف سے ارشاد موصول ہوا کہ ہندوستان سے افراد کو تحریک کر کے مرکز بلوایا جائے جو اہل وعیال سمیت قادیان میں آکر آباد ہوں اور جن درویشان کے اہل وعیال پاکستان

آ چکے ہیں انہیں جماعت واپس قادیان بھجوانے کا انتظام کرے اور جو درویش پہلے سے شادی شدہ نہیں ہیں وہ ہندوستان میں شادیاں کر لیں ۔ اس طرح قادیان میں متاہل زندگی کے دور کا آغاز ہوا۔

چنانچہ 1950ء کے نصف آخر میں ہندوستان سے امروہہ اور شاہجہانپور اور ضلع بریلی سے 25 کے قریب خاندان ہجرت کر کے قادیان آ گئے اور ان کے آنے سے گہما گہمی قادیان محلّہ احمدیہ کے گلی کوچوں میں نظر آنے لگی۔ ان خاندانوں کے ہمراہ چند نوجوان لڑکیاں بھی تھیں جماعت کے شعبہ رشتہ ناطہ کی توجہ سے ان میں سب سے پہلا رشتہ عبدالقادر صاحب دہلوی کا طے ہوا اور یہ شادی نہایت سادگی سے ہوگئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اس وقت شادی کرنے والے درویش کو 130 روپے شادی کے لئے امداد ملتی تھی اور درویش بھائی اپنے گزاروں میں سے جو حلقہ بیت مبارک اور حلقہ بیت اقصیٰ کے درویشان کو لنگر خانہ سے کھانے کے علاوہ 5 روپے ماہوار ملتا تھا اس میں سے کتنی گنجائش نکلتی ہوگی بس ایک روپیہ یا دو روپے ۔ سوا ایک ایک دو دو روپے کی سلامیاں بھی مل کر ڈیڑھ سو روپے ہو جاتے تھے اور یوں سمجھ لیا جائے کہ ایک شادی ان دنوں ساڑھے تین چار سو روپے میں ہو جاتی تھی۔

گویا کہ ان دنوں پندرہ روپے میں ایک اچھا سوٹ بن جاتا تھا اس طرح درویش کو جو شادی فنڈ 130 روپے ملتا اس میں سے دلہن کے لئے دو تین سوٹ بنوا لیتا اور ایک دو اپنے لئے باقی رقم سے ولیمہ کی دعوت اس طرح پر ہو جاتی کہ ہر ایک درویش اپنا کھانا لنگر سے لے کر آ جاتا اور جس درویش کی طرف سے دعوت ولیمہ ہوتی وہ بھی تو روٹی لنگر خانہ سے ہی لاتا تھا سب مل کر کھا لیتے ہاں اتنا ضرور کر لیا جاتا کہ کوئی میٹھی چیز جیسے زردہ حلوہ یا گڑ کے میٹھے چاول کھانے کے بعد منہ میٹھا کرنے کیلئے بنوائے جاتے۔ (صفحہ 35)

استقامت کے منفرد تجربات

مکرم چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی لکھتے ہیں۔

درویشوں کی شادیوں کے بعد جب ان کے گھر آباد ہوئے تو وہ صرف میاں بیوی تھے۔ میاں یا بیوی کی طرف سے کوئی بھی رشتہ دار پاس نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ کوئی رشتہ دار عورت بھی نہ تھی۔ نہ ماں نہ ساس، نہ چچی نہ خالہ، نہ بہن نہ بھانجی، نہ بھابھی نہ بھتیجی۔ ایسے حالات میں جب کسی درویش کے ہاں ولادت کا وقت آتا تو وہ بیچارہ عجیب پریشانی کے عالم میں مبتلا ہوتا۔ وہ کسے درد زہ میں مبتلا بیوی کے پاس چھوڑے اور کسے نرس یا دائی کو بلوانے بھیجے۔ یہ عجیب پریشانی کا وقت ہوتا تھا۔ خاص طور پر ایسے اوقات میں کہ ہمسایوں کے ہاں بھی ایسا ہی وقت ہوتا۔ اس بے بسی کے عالم کو صرف درویش ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کوئی قاری یا سامع نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ ایک طرف یہ بے بسی کارفرما ہوتی تھی۔ اور دوسری طرف بے سروسامانی کی دردانگیزیاں تھیں۔ بچے نے تو بہرحال پیدا ہونا ہی تھا۔ اور وہ پیدا ہو جاتا تھا۔ لیکن اپنے جلو میں مزید پریشانیاں لے کر آتا تھا۔ زچہ کی خوراک، دوا دارو کا انتظام اور بچے کی دیکھ بھال میں بیوی کی مدد اور پھر دفتری ذمہ داریوں کی ادائیگی، دو ٹانگوں والا درویش کون کون سی ذمہ داری کی طرف بھاگتا۔ ظاہر ہے کہ اسے اپنے لئے آٹھ ٹانگوں کی تخلیق کرنا پڑتی تھی۔ وہ دفتر جاتا تو ذہن بچہ کی چارپائی کے گرد گھومتا، گھر آتا تو دفتری ذمہ داریاں آواز دیتیں۔ وہ اکیلا ہوتا اور فرائض کی مختلف و متضاد نوعیتیں ہوتیں۔ وہ کبھی کلرک ہوتا کبھی دائی بنتا، کبھی ماما کی ڈیوٹی ادا کرتا اور کبھی باورچی خانہ میں سرگریاں کام کرتا اور زبان حال سے کہتا۔

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

لیکن ایسی جگہ اس سے بہتر کہاں مل سکتی تھی! اور پھر سال بہ سال بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان کمسن بچوں کی موجودگی میں بے سروسامانی کی گھر میں لپٹا ہوا درویش کا گھر ایک عجیب منظر پیش کرتا تھا۔ بیوی زچگی میں پڑی ہے۔ وہ تین کمسن بچے صبح جاگ کر ناشتہ مانگ رہے ہیں۔ انہیں حوائج ضروریہ سے بھی فارغ کروانا ہے۔ منہ ہاتھ بھی دھلانا ہے۔ دادی پاکستان میں ہے نانی اڑیسہ میں ہے۔ بچے قادیان میں ہیں۔ باپ کا سارا وجود تفکرات میں گم ہے۔ ان روتے اور منہ بسورتے بچوں کو سنبھالے تو کون؟ اور درویش دفتر جائے تو کیسے؟ وہ کبھی زچہ کی خبرگیری کرتا ہے کبھی چولہے کی طرف لپکتا ہے اور کبھی بچوں کا منہ دھلانے لگتا ہے۔ (صفحہ 45)

اقتصادی مشکلات پر صبر

اقتصادی مشکلات اجتماعی مسئلہ ہے۔ اس لئے مرگ انبوہ کا ایک جشن سا برپا ہے۔ ابھی حال ہی میں ہمارے ایک درویش بھائی فوت ہوئے ہیں۔ ان کی زندگی تک تو صرف اتنا سا علم تھا کہ وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ ان کے سات بچے تھے۔ اور یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ وہ مالی لحاظ سے پریشان ہوں گے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی ایک ڈائری نکلی ہے۔ جس کے ایک صفحہ پر لکھا ہے۔

سب سے زیادہ سخت تنگی کا سال 1971ء و 1972ء کا گزرا خاص طور پر لڑائی کے دوران اور اس کے بعد تک کئی کئی دنوں کے فاقے بمعہ بچوں کے گزرے۔ صبح ملی تو رات نہیں۔ الحمدللہ ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔

کیا یہ الفاظ کہنا آسان ہے۔ کیا ظرف و وسعت کو ناپنے کے لئے یہ پیمانہ کافی ہو سکتا ہے؟

یہ تو وہ ڈائری تھی جو لکھی گئی۔ ورنہ بیسیوں ایسی ڈائریاں بھی ہیں جو لکھی نہیں گئیں۔ اور اگر لکھی جاتیں تو ان کے الفاظ بھی یہی ہوتے۔ زندہ باد میرے مرنے والے درویش بھائی کتو نے ۔

ہر گام پر بکھیر کے پھولوں کی نکہتیں!
رکھ لی ہے لاج کانٹوں بھری کائنات کی

(صفحہ 46)

گزارہ کی صورت

گزارہ کی سیدھی سادی درویشانہ سی صورت تھی۔ دو وقت کا کھانا بڑی باقاعدگی کے ساتھ حضرت مسیح موعود کے لنگر خانہ سے مل جاتا تھا اور دیگر اخراجات کے لئے ماہانہ پانچ روپے ملتے تھے۔ اور راتیں درویشانہ گدڑیوں میں کٹ جاتی تھیں۔ بیک وقت 313 آدمیوں کے لئے لنگر خانہ پر کھانا پکانے کا کام بہت حسین اور ایمان افروز منظر پیش کرتا تھا۔

یہ درویشی کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ جبکہ صدر انجمن احمدیہ کے پاس ذرائع کا فقدان تھا۔ اور دونوں لنگر خانہ سے کھانے کا انتظام بھی بمشکل ہو پاتا تھا۔ لیکن جب صدر انجمن احمدیہ کی مالی حالت کسی قدر مستکفل ہونے کے قابل ہوگئی تو پھر حسب حالات گزارے ملنے شروع ہوگئے۔ یعنی لنگر خانہ سے کھانا دینے کا انتظام ختم کر کے پندرہ روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جانے لگا۔ یہ سوال کہ یہ گزارے ضروریات کی نسبت سے کم تھے یا کافی، اپنی نوعیت کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ درویشی کا تقاضا تھا کہ کیف وکم کو قطعاً نظر انداز کر دیا جائے۔ لہٰذا صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ بہرحال صدر انجمن احمدیہ سے گزارے ملتے تھے جو ان شبینہ کے لئے کفایت کرتے تھے۔ الحمدللہ (صفحہ 43)

رابطہ کے ذرائع

مکرم بدرالدین عامل بھٹہ صاحب درویش لکھتے ہیں۔

16 نومبر 1947ء کو آخری کانوائے کی روانگی کے بعد صرف درویشان ہی قادیان میں تھے ۔ قادیان ایک محصور بستی کی طرح ہو گیا تھا ریل ڈاک تار سب مواصلاتی ادارے ٹھپ تھے چند مرتبہ لاہور سے جماعت احمدیہ کا طیارہ ڈاک لے کر آتا رہا اور اوپر فضاء سے ہی اندازہ کر کے ڈاک کا تھیلا پھینک دیتا تھا۔ ایک دو مرتبہ تو تھیلا نشانہ پر ٹھیک گرا اور اس میں آئی ڈاک سے درویشان کو اپنے عزیز و اقارب کی خیریت معلوم ہوئی۔ پھر ایک مرتبہ احمدیہ ایریا کے قریب والے گوردوارہ کے سامنے جا گرا جس پر غیر مسلم بھائیوں نے ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی قبضہ کر لیا اور تھیلا پولیس چوکی میں پہنچا دیا۔ جنہوں نے آگے سنسر ڈیپارٹمنٹ کے سپرد کر دیا بات تو کچھ بھی نہ نکلی لوگوں کے باہمی خیر و عافیت کے خطوط ہی تو تھے پھر پولیس نے نگرانی شروع کر دی اور جونہی جہاز آتا پولیس جیپ میں فوراً موقعہ پر آ کر ڈاک پر قبضہ کر لیتی اور بالآخر پولیس نے ہوائی جہاز پر فائرنگ کرنا شروع کر دی اور اس طرح رابطہ کا یہ ذریعہ بھی ختم ہو گیا۔ (صفحہ 36)

چنے لوہے کے بھی چبا جائیں گے

مکرم بدرالدین عامل بھٹہ صاحب درویش لکھتے ہیں۔

ان ایام کو گزارتے ہوئے ایک روز میں خود جس گروپ میں تھا (مل کر کھانا کھانے والوں کا گروپ) یہ پروگرام بنا کہ روز دونوں ٹائم ابلی ہوئی گندم کھانے میں کچھ تنوع پیدا کرنا چاہئے لہٰذا کیوں نہ آج چنے ابال کر کھائے جائیں۔ مکانات سے سامان جمع کرتے وقت مکانوں سے گندم بھی ملی تھی اسی طرح چنے بھی بعض مکانات سے ملے تھے۔ ہم نے ایک روز چنے لے کر ان کو پانی میں ڈال کر پکانا شروع کیا تھوڑی دیر بعد اس میں چند چنے نکال کر دیکھتے تو پتہ چلتا کہ ابھی کچے ہیں پھر اور پانی ڈال کر پکاتے پھر دیکھتے تو کچے اور سخت ہوتے اسی طرح کرتے کرتے شام ہوگئی مغرب کی نماز کو جاتے ہوئے بھائی عبدالرحیم دیانت سے بات کی کہ ہم نے چنے اُبالے ہیں وہ گھنٹوں پکانے کے باوجود کچے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ چنے اس طرح نہیں پکاتے جاتے بلکہ ان کو ایک روز قبل سوڈے میں بھگو کر رکھا جاتا ہے پھر وہ سوڈے والا پانی نکال کر نیا پانی ڈال کر پکانے سے ٹھیک طور پر پکتے ہیں۔ ہم نماز پڑھ کر واپس آئے اور جو چنے ہم نے اُبالے تھے وہ پانی سے نکال کر اس پر نمک چھڑک کر ہم نے کھانے شروع کر دیئے چند سال قبل جنگ عالم گیر ثانی کے دوران بھرتی کے لئے تحریک کرنے سرکاری پارٹیاں آیا کرتی تھیں وہ دیہات میں ڈرامے بھی کرتے تھے اور ایک قوالی بھی کیا کرتے تھے اس میں ایک ترجیع بند ہوتا تھا چنے لوہے کے بھی چبا جائیں گے ہم کہ سرکاری راشن بچائے ہوئے ہیں اس روز ہم سب (یہ کھانے میں اشتراک کے گروپ۔ ہانڈی وال کہلاتے تھے) ہانڈی وال ان سخت چنوں کو کھاتے جاتے تھے اور یہ گاتے جاتے تھے کہ

چنے لوہے کے بھی چبا جائیں گے ہم
کہ سرکاری راشن بچائے ہوئے ہیں

(صفحہ 34)

پانی میں قبر کھودی

حضرت حاجی ممتاز علی خان صاحب صدیقی رفیق حضرت مسیح موعود کو بھی 1947ء میں مجبوراً ہجرت کرنی پڑی تھی لیکن پھر 5 مارچ 1948ء میں واپس قادیان اس نیت کے ساتھ آ گئے تھے کہ قادیان ہی میں ان کو موت نصیب ہو آپ کی وفات 19 جولائی 1954ء کو ہوئی۔ اس روز تقریباً بارہ گھنٹے متواتر موسلادھار بارش ہوئی۔ اور پھر اگلے روز بھی قریباً پانچ گھنٹے بارش ہوئی۔ 1947ء اور 1950ء کی بارشوں سے بھی یہ بارش بڑھ گئی۔ اب تو نہ صرف ریل کی پٹڑی کی روک بھی تھی کہ اسے کاٹا نہیں گیا تھا اور بوہڑی صاحب کی طرف نہر بھی بن چکی ہے۔ باوجود اس کے شہر قادیان نہ صرف

مفصلات سے بلکہ باہر کے محلوں سے بھی منقطع ہو گیا تھا۔ ریتی چھلہ سے ریلوے سٹیشن اور نصرت گرلز سکول تک پانی ہی پانی تھا اسی طرح بڑے باغ اور بہشتی مقبرہ میں بھی قادیان میں بہت سے مکانات گر پڑے۔ موضع رسول پور متصل قادیان کے باشندگان کو کوٹھوں پر پناہ لینی پڑی وہ چاہتے تھے کہ ریلوے لائن کے نیچے سے پانی گزرنے کیلئے زمین کاٹ دیں لیکن پولیس کی طرف سے اجازت نہیں ملی۔ ایسی حالت میں کہ بہشتی مقبرہ کی قبروں کا ایک حصہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا قبر بنانا بہت مشکل تھا چند جواں ہمت دوستوں نے بند باندھ کر قطعہ میں سے پانی باہر نکالا۔ اور بصد وقت قبر کھودی۔ لحد بن نہیں سکتی تھی اس لئے ...... پھٹے رکھ کر اسے بند کیا گیا۔ 20 جولائی کو گیارہ بجے قبل دوپہر محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ امیر مقامی نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر پر بعد تدفین محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے دعا کرائی۔ (صفحہ 108)

(ہفت روزہ بدر قادیان 28 جولائی 1954ء)

اپنوں کی وفات پر صبر کے بے نظیر نمونے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

’’1963ء میں آپ کی والدہ محترمہ سیدہ عزیزہ بیگم صاحبہ کی وفات ہوئی اور بڑی مشکل سے آپ کو پاکستان آنے کی اجازت ملی اور آپ تدفین کے وقت پہنچ سکے۔

پھر 1965ء میں پاکستان بھارت کی جو جنگ ہوئی اس میں رابطے بالکل ختم ہو گئے تھے، ڈاک اور ٹیلیفون وغیرہ کے انڈیا اور قادیان سے سب رابطے ختم تھے اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت مصلح موعود کی بیماری کی اطلاع بھی ریڈیو پاکستان کی خبروں سے پتہ لگی تھی اور پھر وفات کی اطلاع بھی ریڈیو پاکستان سے ہوئی۔ پھر انہوں نے جماعت سے رابطے کئے اور پھر سری لنکا سے کنفرمیشن ہو گئی۔ تو بہر حال حضرت مصلح موعود کی وفات کے وقت بھی یہ قادیان میں تھے۔

اس کے بارہ میں لکھنے والے لکھتے ہیں کہ جب حضرت مصلح موعود کی وفات ہوئی تو انہوں نے تمام درویشان کو بیت مبارک قادیان میں اکٹھا کیا اور وہاں تقریر کی اور درویشان قادیان کو شدید صدمہ کے وقت صبر اور دعاؤں کی تلقین کی اور پھر فرمایا کہ میری ہمیشہ یہ دعا اور تڑپ رہی ہے کہ اے خدا جب بھی حضرت ابا جان یعنی حضرت مصلح موعود کا آخری وقت آئے تو میں ان کے پاس موجود رہوں۔ مگر ایسے حالات میں حضور کی وفات ہوئی ہے کہ میرا جانا ممکن نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سمجھایا کہ قادیان اور ہندوستان کے سارے احمدی افراد حضرت مصلح موعود کے بچوں کی طرح ہی ہیں سب کو جدائی کا یکساں صدمہ پہنچا ہے تم بھی ان کے ساتھ جدائی کا ویسا ہی صدمہ برداشت کرو جیسا کہ وہ کر رہے ہیں اور تمہارا قادیان رہنا ان کے لئے موجب ڈھارس اور تسلی ہوگا۔‘‘

(خطبہ جمعہ 4 مئی 2007ء)

قادیان سے عشق و محبت

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

پھر 1971ء میں دونوں ملکوں کے حالات خراب ہوئے اور بعض افسران نے قادیان کی احمدی آبادی کو زبردستی قادیان سے نکالنے کی کوشش کی اور چھوٹے افسران نے حکم جاری کیا کہ یہ نکل جائیں اور بہانہ یہ کیا کہ ہم آپ کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں، قادیان میں رہ کر ہم حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس لئے محلہ احمدیہ اور دارالمسیح سب چیزیں خالی کرو تا کہ ایک جگہ ہم تم لوگوں کو جمع کر دیں اور وہاں تمہاری حفاظت کر سکیں۔ اصل میں تو حفاظت مقصد نہیں تھا۔ میرا خیال ہے شک کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا، بلکہ خیال کیا، بڑا واضح ہے کہ ان لوگوں کو شک کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ تو اس موقع پر بھی حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے قادیان کے تمام احمدی احباب کو بیت مبارک میں جمع کیا اور ایک بڑی پُرسوز تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارا دائمی مرکز ہے ہم اس کو قطعاً نہیں چھوڑیں گے۔ ان کی نیت تو یہ تھی کہ اس طرح یہ خالی کریں گے اس کے بعد ہم جگہوں پر قبضہ کر لیں گے۔ اس تقریر میں آپ نے کہا کہ یہ ہمارا دائمی مرکز ہے اس کو ہم قطعاً نہیں چھوڑیں گے آج کی ایک رات ہمارے پاس ہے، اپنی دعاؤں کے ذریعہ عرش الٰہی کو ہلا دیں۔ اگر حکومت کا ہمارے بارے میں یہی قطعی فیصلہ ہے تو یاد رکھو ایک بچہ بھی خود سے قادیان سے باہر نہ جائے گا۔ ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن مقامات مقدسہ اور قادیان سے باہر نہیں نکلیں گے۔ نیز فرمایا کہ آپ یاد رکھیں کہ میں بھی یہاں سے خود باہر نہیں جاؤں گا اگر حکومت کے کارندے مجھے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جائیں تو لے جائیں لیکن اپنے پیروں سے چل کر نہ جاؤں گا۔ آپ میں سے ہر درویش اور درویش کے بچے کی یہی پوزیشن ہونی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے لے جائیں اور یہ کہیں کہ ہم تمہارے میاں صاحب کو لے گئے ہیں اس لئے تم بھی چلو۔ وہ مجھے لے جاتے ہیں تو لے جائیں۔ آپ نہیں جائیں گے اور ہر فرد جماعت کے منہ سے بس یہی آواز نکلنی چاہئے کہ ہم قادیان کو نہیں چھوڑیں گے۔ تو لکھنے والے کہتے ہیں کہ اس رات قادیان کے بچے بچے کی یہ حالت تھی کہ ہر شخص اس رات جس طرح خدا تعالیٰ سے آدمی لپٹ جاتا ہے، لپٹا ہوا تھا۔ بیت مبارک کا گوشہ گوشہ اور بیت اقصیٰ کا کونہ کونہ، بہشتی مقبرے میں ہر جگہ دعائیں ہو رہی تھیں اور کہتے ہیں ہر گھر کی دیواریں اس بات کی گواہ ہیں کہ درویشوں کے دلوں سے یہ نکلی ہوئی آہیں اور چیخیں آستانہ الٰہی پر دستک دینے لگیں۔ ان کی سجدہ گاہیں تر ہو گئیں، ان کی جبینیں اللہ تعالیٰ کے حضور جھکی رہیں۔ سینکڑوں ہاتھ خدا تعالیٰ کے حضور اٹھے رہے اور رات اور دن انہوں نے اسی طرح گزار دیا اور آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دیا اور اگلے دن پھر کچھ وفود ملنے گئے، فوجی افسران خود قادیان آئے اور مقامات مقدسہ کا معائنہ کیا، احمدیہ محلّہ کا معائنہ کیا اور پھر D.C صاحب وغیرہ کی سفارش پر یہ فیصلہ منسوخ ہو گیا۔ (خطبہ جمعہ 4 مئی 2007ء)

وعدہ وفاداری

مکرم بہادر خان صاحب درویش کے صاحبزادے لکھتے ہیں کہ

قادیان میں جب حالات نارمل ہو گئے اور ہندوستان اور پاکستان کی حدیں مقرر ہو گئیں تو کیپٹن شیر ولی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے اپنے وطن جانے کی اجازت طلب کی تو حضور انور نے منظور دے دی۔ محترم کیپٹن صاحب کا والد صاحب سے بہت پیار تھا فوج میں بھی پھر قادیان میں بھی اس لئے موصوف نے اپنے ساتھ پاکستان جانے کے لئے بہت اصرار کیا لیکن والد صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت المصلح الموعود کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا ہے کہ ہر حال میں یہاں رہوں گا خواہ انجمن مدد کرے یا نہ کرے۔ پھر اس وعدہ کو آخری سانس تک نبھایا۔ ہر حال میں وفاداری اور صبر و شکر کے ساتھ وقت گزارا۔

تنگی میں صبر

ایک وقت ایسا آیا کہ صدر انجمن احمدیہ نے اپنے محدود بجٹ اور وسائل کے پیش نظر بعض درویشوں کو فارغ ہو کر اپنا کاروبار کرنے کی تحریک کی اور کچھ کام بھی سکھلائے۔ والد صاحب کو بھی توجہ دلائی تو آپ بھی لبیک کہتے ہوئے کام کرنے لگے۔ اسی دوران قادیان میں سیلاب آیا اور بہت سامان و گندم پانی میں خراب ہونے لگی والد صاحب کو ان دنوں شدید بخار تھا۔ سب درویش سیلاب میں خدمت خلق کا کام کر رہے تھے۔ والد صاحب کو شدید بخار کی وجہ سے آرام کرنے کے لئے آپ کے سب ساتھی درویشان کرام نے توجہ دلائی۔ والد صاحب نے کہا کہ میں ایسے کس طرح بیٹھ سکتا ہوں۔ آپ بھی سیلاب میں پانی میں جا جا کر خدمت خلق کے کاموں میں جت گئے۔ لیکن شدید بخار میں آرام نہ کرنے کی وجہ سے شدید فالج کا حملہ ہو گیا جسم کا ایک حصہ خاص کر ایک ٹانگ بہت متاثر ہو گئی پھر کافی عرصہ کے بعد علاج معالجہ سے چلنے پھرنے لگ گئے اور پھر چھڑی کا استعمال سہارا کے لئے شروع کر دیا لیکن ہر کام مستعدی سے کرنے کے قابل ہو گئے۔ دفتر سے فارغ تھے اور کام بھی نہیں مل رہا تھا اور بیماری کے باعث کافی عرصہ بڑی تکلیف سے گزارا۔ والد صاحب کے ساتھ والدہ صاحبہ کے بزرگ والدین، والدہ صاحبہ کی دادی جان، والدہ صاحبہ کی چھوٹی بہن جو اس وقت چھ سات برس کی تھی یعنی ہماری چھوٹی خالہ جان اور خاکسار اس وقت شیر خوار تھے۔ ایسے حالات میں بہت تنگی سے گزارہ کیا۔

تقسیم ملک کے فوراً بعد بہشتی مقبرہ کی کچی دیوار کی تعمیر حفاظتی نقطہ نگاہ سے کی گئی۔ درویشی دور میں سب درویشان کرام بہشتی مقبرہ میں خاص طور پر صفائی اور چار دیواری کی مرمت کرتے رہتے تھے۔ اس کی تعمیر اور مرمت کے کام میں محترم والد صاحب کو بھی خدمت کا موقعہ ملا۔ (144)

اطاعت کو فوقیت

محترم عطاء اللہ خان صاحب درویش لکھتے ہیں کہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ارشاد تھا کہ عورتیں بچے اور ساٹھ سال اوپر کے بوڑھے آدمی پاکستان چلے جائیں اور نوجوان میری اجازت کے بغیر نہ جائیں۔ خاکسار نے اہلیہ سے کہا آپ قافلہ میں چلی جائیں اور میں حضور کے ارشاد کے مطابق نہیں جا سکتا۔ مگر وہ بضد رہیں کہ آپ چلیں گے تو میں جاؤں گی۔ ورنہ نہیں۔ اہلیہ کے ایک رشتہ دار پاکستان جا رہے تھے ان سے میں نے کہا کہ آپ انہیں سمجھا کر ساتھ لے جائیں اور گھر پہنچائیں۔ مگر وہ پھر بھی نہ مانیں تو قافلہ روانہ ہونے والا تھا میں نے اپنا کچھ سامان اپنے ساتھ لیا اور چل پڑا تا کہ اہلیہ یہ سمجھ لیں کہ میں ان کے ساتھ چل رہا ہوں وہ راضی ہو جائیں۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا اور ٹرک اسٹارٹ ہو گئے یہ تمام قافلہ ’’تتلہ‘‘ کی نہر کی پٹڑی پر تھا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے Whistle دی کہ جو قادیان واپس جانے والے ہیں وہ نہر کی پٹڑی کے نیچے درختوں کے سائے میں کھڑے ہو جائیں میں اس وقت ٹرک کے اوپر کی چھت پر تھا اور وہ اہلیہ کے رشتہ دار بھی وہیں موجود تھے۔ ان کو میں نے کہا کہ اب میں جا رہا ہوں آپ نے ان کو گھر پہنچانا ہے اور میں نے ٹرک کے اوپر سے چھلانگ لگا دی اور قادیان واپس جانے والوں کی لائن میں کھڑا ہو گیا۔ اس طرح وہ بھی بخیر و عافیت پاکستان پہنچ گئیں اور خاکسار بھی اس ابتلاء میں کامیاب ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اہلیہ نے مطالبہ کیا کہ آپ پاکستان واپس آ جائیں۔ ورنہ میں کوئی اور قدم اٹھاؤں گی۔ چنانچہ خاکسار نے اہلیہ کو جواباً لکھا کہ آپ پاکستان میں میرے آنے کیلئے کوشش کریں اور اپنے پاسپورٹ کی نقل بھجوا دی اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اب یہاں سے واپسی کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے یہاں سے کوئی کوشش نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے دوبارہ مرکز میں میرے پاکستان جانے کے لئے درخواست دے دی۔ چنانچہ خاکسار سے پوچھا گیا کہ کیا آپ واپس جانا چاہتے ہیں یا نہیں؟ خاکسار نے جواب دیا کہ میں رہنا تو یہاں چاہتا

ہوں مگر چونکہ میری بیوی بچوں کو سنبھالنا اوران کی ساری ضروریات کا پورا کرنا بھی میرا فرض ہے اس معاملہ کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ فرمائیں چنانچہ فیصلہ ہوا کہ آپ اپنے طور پر چلے جائیں سلسلہ اس معاملہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ تو خاکسار نے پھر دوبارہ لکھا کہ بغیر مدد کے میں نہیں آسکتا۔ آپ وہاں پوری کوشش کریں اگر کامیاب ہوجائیں تو میں آجاؤں گا چنانچہ انہوں نے پوری کوشش کی مگر ناکام رہے اس طرح اس ابتلاء میں بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب کیا۔ (صفحہ 153)

صبر وقناعت کا عجیب نظارہ

درویش احباب قافلہ کی صورت میں جلسہ سالانہ ربوہ میں شمولیت کیلئے جایا کرتے تھے لیکن محترم گیانی عبداللطیف صاحب درویش صاحب کبھی جانہ سکے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ نظارت امور عامہ میں محترم گیانی صاحب کے پاس رشتہ ناطہ کی ٹیبل تھی اور ایڈیشنل ناظر صاحب مکرم مولوی مبارک علی صاحب درویش تھے۔ انہوں نے اپنے کارکنان سے کہا کہ دیکھو وہ کون درویش ہے جو ابھی تک ربوہ نہ جاپایا ہو انہوں نے کہا اب تو ایک ہی محترم گیانی عبداللطیف صاحب رہ گئے ہیں۔ اس پر مولوی صاحب نے محترم گیانی صاحب کو دفتر میں بلایا اور کہا کہ تم ربوہ جانے کے لئے تیار ہوجاؤ۔ اس پر محترم گیانی صاحب نے کہا نہیں یہ میرے بس کی بات نہیں۔ نہ پیسہ ہے نہ کپڑا، نہ جوتا نہ زاد راہ۔ لیکن پھر بھی مولوی صاحب نے کہا کہ ضرور جانا ہوگا۔

محترم گیانی صاحب نے جب یہ سارا واقعہ گھر آکر اپنی اہلیہ کو سنایا تو آپ کی اہلیہ صاحبہ کہنے لگیں کہ میرے پاس تھوڑے سے کپڑے ہیں میں ایک جوڑا سی دیتی ہوں۔ محترم گیانی صاحب تیار ہوگئے اور آپ کی بیگم نے کپڑے سی دیئے اور پلاسٹک کے لفافہ میں ڈال کر آپ کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ محترم گیانی صاحب نے یہ سوچا کہ کپڑے ربوہ کے نزدیک پہن لوں گا۔ جب ربوہ کی پاک بستی قریب آتی دکھائی دی تو محترم گیانی صاحب نے پاجامہ نکال کر پہنا تو وہ شاید ململ یا خاسے کا تھا اور اس میں سے ٹانگیں نظر آتی تھیں اور قمیص بھی عجیب ڈھنگ کی تھی آگا پیچھا عجیب، بازو عجیب تھے۔ خیر محترم گیانی صاحب نے یہ سوچ کر پہن لیا کہ بیوی نے ہمدردی تو کی لیکن یہ بات اور ہے کہ وہ درزن نہیں۔ الحمد للہ ربوہ کی مقدس بستی آئی، ریلوے سٹیشن کا پلیٹ فارم احباب سے بھرا پڑا تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، چاروں طرف درویشان قادیان زندہ باد، قادیان زندہ باد، نعرہ تکبیر کے فلک بوس نعرے اور ساتھ ہی خوشا نصیب کہ تم قادیان میں رہتے ہو کی سریلی نظموں کی آوازوں نے ایک تہلکہ مچا رکھا تھا۔ لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں کی تلاش میں تھے آپ کے رشتہ دار بھی معلوم کررہے تھے کہ محترم گیانی صاحب کا کسی کو اتہ پتہ ہے۔ ان کا نام لطیف ہے کسی نے اشارہ کیا وہ ہیں؟ محترم گیانی صاحب کے بھانجوں نے سر ہلایا نہیں یہ نہیں ہیں۔ پھر کسی نے کہا یہ وہی ہیں۔ انہوں نے پھر سر ہلا کر جواب دیا نہیں یہ نہیں ہیں۔ جب ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے نے ان کو یقین دلایا کہ وہی ہیں تو اس وقت گیانی صاحب کی شکل قابل دید تھی۔ خیر آپ کے بھانجے چار ونا چار آپ کو گھر لے گئے۔ جب آپ کی ملاقات اپنی بہن سے ہوئی تو آپ کی بہن نے آپ کی حالت دیکھ کر کہا کہ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے اس پر آپ نے کہا کہ درویشی زمانہ میں ابتلاؤں سے جنگ کر رہا ہوں۔ بہر حال آپ کی بہن نے راتوں رات دو جوڑے کپڑے سیئے جن کو پہن کر آپ جلسہ گاہ میں گئے۔

لیکن پھر بھی آپ کی حالت دیکھ کر آپ کی بہن کو اطمینان نہ رہا اور آپ کو اپنے پاس رہنے کے لئے کہا۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ میں نے درویشی کی خاطر سب کچھ قربان کیا اب کیا پاکستان رہنے کے لئے درویشی بھی قربان کردوں۔ بس تم میرے لئے دعا کیا کرو کیونکہ دعائیں ایک دن رنگ لائیں گی۔ (صفحہ 155)

درویشی کی نعمت کے مقابل پر جائیدادوں کو ٹھکرانا

محترم گیانی عبداللطیف صاحب کے بزرگ کپورتھلہ کے گاؤں پرم جیت کور عرف آلو پور کے رہنے والے تھے۔ زمین و جائیداد کے مالک تھے اپنے علاقہ میں خوب رعب داب تھا۔ مگر 1947ء کے پرآشوب حالات کی وجہ سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان ہجرت کرنی پڑی اور محترم گیانی صاحب قادیان آگئے اور درویش بن گئے اور اس درویشی میں ایسے مست ہوگئے کہ ساری زندگی اپنی خاندانی جائیداد کا خیال تک نہ آیا اور ساری زندگی تنگی ترشی میں گزاری لیکن کبھی پچھلی جائیداد کا خیال تک نہ آیا اور نہ کبھی کپورتھلہ جا کر اپنے گاؤں کو دیکھنے کا شوق ابھرا۔

دنیاوی خواہشات ساری ختم کردیں۔ اسی وجہ سے اپنے گاؤں کی مٹی بھی یاد نہ آئی اور اگر آئی تو اس کو ظاہر نہ ہونے دیا اور صرف اس درویشی کی خاطر بھول گئے۔

انڈیا میں رہتے ہوئے بھی کبھی جائیداد حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور تنگی میں ہی زندگی گزار دی لیکن اگر کوشش کرتے اور اپنی جائیداد زمین وغیرہ کا کیس درج کرواتے تو آپ اپنے بزرگوں کی ساری جائیداد کے مالک ہوتے مگر آپ کے پاس وہ جائیداد تھی جس کی قیمت انمول ہے اور اس کے سامنے دنیا کی ساری جائیداد ہیچ اور بے کار اور بے معنی ہیں۔ اور ساری زندگی آپ نے اپنے عمل سے اس کو ثابت بھی کیا کہ سب سے بڑی ''درویشی کی جائیداد ہے۔''

غزل

وہ تو خوشبو ہے، ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

ہم تو سمجھے تھے کہ اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگ جاں میں اُتر جائے گا

وہ ہواؤں کی طرح خانہ بجاں پھرتا ہے
ایک جھونکا ہے جو آئے گا گزر جائے گا

وہ جب آئے گا تو پھر اس کی رفاقت کے لئے
موسم گل مرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

آخرش وہ بھی کہیں ریت پہ بیٹھی ہوگی
تیرا یہ پیار بھی دریا ہے، اُتر جائے گا

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث
جرم یہ بھی مرے اجداد کے سر جائے گا

پروین شاکر

قادیان نہ چھوڑا

محترم عبدالحمید آڑھتی صاحب درویش کے وصال پر ہفت روزہ بدر قادیان پیشوان مذاہب نمبر 1976ء کے صفحہ 10 پر آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ ''......مرحوم کے دو بیٹے مکرم عبدالسمیع صاحب و مکرم عبدالباری صاحب ڈنمارک میں مقیم ہیں اور خود یہ درویش بھی اپنے خون پسینے سے سال میں ہزاروں کماتے رہے، اس کے باوجود لنگر مسیح پاک سے کھانا اور بیت اقصیٰ میں کبھی فرش پر اور کبھی منارۃ المسیح کے چبوترے پر شب بسری کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے......بارہا بیٹوں نے انہیں بلایا کہ کم از کم اس عمر میں تو ہمارے پاس آجائیں اور ہمیں بھی خدمت کا موقع دیں۔ لیکن مرحوم نے نہیں مانا بلکہ سختی سے جواب دیا کہ آئندہ کبھی مجھے یہ نہ کہنا کہ قادیان چھوڑ کر آجاؤ......ہم نے اپنے رب سے ایک عہد کیا ہوا ہے کہ شعائر اللہ کی خدمت وحفاظت کے لئے ہم اپنی ہر چیز قربان کردیں گے......اور میں کبھی بدعہدی نہیں کرسکتا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے صاحبزادی امۃ العلیم عصمت صاحبہ اور محترم منصور احمد خان صاحب کے نکاح کے موقع پر خطبہ نکاح میں درویشان کرام کی نسبت فرمایا۔ ایک سے ایک بڑھ کر فدائی وہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بڑی تکالیف اٹھا کر اس مقام کے احترام کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

بخار میں ادائیگی فرض

مکرم محمد حمید کوثر صاحب اپنے والد محترم چوہدری محمد شریف گجراتی صاحب درویش کے متعلق اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ

1950-1960ء کے دھاکوں میں درویشان کرام کے رات کو پہرے لگتے تھے۔ والد صاحب کو جنوری کی ایک رات شدید بخار تھا اور آپ کی بارہ بجے رات سے چھ بجے صبح (نداء فجر) تک بہشتی مقبرہ میں ڈیوٹی تھی۔ بارش اور اولے اور تیز ہوا کا موسم تھا والدہ صاحبہ نے منع کیا کہ ڈیوٹی کے لئے نہ جائیں مرحوم نے جواب دیا کہ حالات ٹھیک نہیں، بہت سے احمدی احباب ربوہ جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ جماعت کے افراد اور افسران اس یقین پر سو رہے ہیں کہ ایک آدمی ڈیوٹی دے رہا ہے ہم اطمینان سے سوتے ہیں۔ اگر میں بھی سو گیا۔ اور کوئی حادثہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ چنانچہ آپ اسی حالت میں ڈیوٹی دینے چلے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے اور کہنے لگے کہ میرے سے پہلے محترم بابا خدا بخش صاحب درویش ڈیوٹی دے رہے تھے جب انہوں نے مجھے اتنے بخار میں دیکھا تو کہنے لگے شریف صاحب آپ گھر جائیں آپ کو تو بہت بخار ہے، میں آپ کی جگہ ڈیوٹی دیتا ہوں۔

اللہ اللہ یہ تھا ایثار درویشان کرام کا۔ ایک درویش جو پہلے ہی چھ گھنٹے ڈیوٹی دے چکا ہو، اس نے جب اپنے درویش بھائی کو بیمار دیکھا تو اس کی جگہ ڈیوٹی دینے کے لئے تیار ہوگیا۔ انہوں نے حالات کی نزاکت کو بھی سمجھا اور ڈیوٹی کی اہمیت کو بھی۔ خدا کرے درویشان کرام کی اولادیں اسی طرح اطاعت کے جذبہ کے ساتھ خدمت بجالانے والی ہوں۔ (صفحہ 193)

☆..................☆..................☆

نماز جنازہ حاضر و غائب

۞ مکرم منیر احمد جاوید صاحب پرائیویٹ سیکرٹری لندن تحریر کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 25 جنوری 2017ء کو بیت الفضل لندن میں قبل نماز ظہر وعصر درج ذیل افراد کی نماز جنازہ حاضر و غائب پڑھائی۔

نماز جنازہ حاضر

مکرمہ نسرین کوثر رحمان صاحبہ

مکرمہ نسرین کوثر رحمان صاحبہ اہلیہ مکرم حبیب الرحمٰن صاحب۔ ہاؤنسلو ساؤتھ، یو۔کے مورخہ 22 جنوری 2017ء کو 61 سال کی عمر میں بعارضہ کینسر وفات پاگئیں۔ آپ بہت نیک، دیندار، صابرہ وشاکرہ، اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنے والی مخلص خاتون تھیں۔ ذاتی ضروریات پر جماعتی کاموں کو ہمیشہ ترجیح دیتیں۔ اپنے بچوں کی تربیت کا بھی خیال رکھتیں اور علاقہ کے دوسرے بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے باقاعدہ سفر کرکے کلاسیں لینے جایا کرتی تھیں خلافت سے اخلاص ووفا کا گہرا تعلق تھا اور واقفین زندگی کا بہت احترام کرتی تھیں۔ پسماندگان میں خاوند کے علاوہ تین بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔

نماز جنازہ غائب

مکرم رشید احمد صاحب

مکرم رشید احمد صاحب (آف افغانستان) مورخہ 10 جنوری 2017ء کو 53 سال کی عمر میں اچانک ہارٹ اٹیک سے وفات پاگئے۔ آپ تقریباً تین سال سے خادم بیت الذکر کے طور پر خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ شعبہ ضیافت میں بھی خدمت بجالاتے رہے۔ بہت نیک، مخلص اور باوفا انسان تھے۔ امانتداری اور صداقت آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ چار بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ مکرم رسول محمد صاحب (صدر جماعت) کے بہنوئی تھے۔

مکرمہ محمودہ بیگم صاحبہ

مکرمہ محمودہ بیگم صاحبہ (اہلیہ مکرم چوہدری اعجاز احمد بسرا صاحب۔ ٹورانٹو، کینیڈا مورخہ 11 دسمبر 2016ء کو کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد 67 سال کی عمر میں وفات پاگئیں۔ آپ کے پاس کوئی تنظیمی عہدہ تو نہیں تھا لیکن پھر بھی آپ ہمیشہ جماعتی کاموں میں پیش پیش رہتی تھیں۔ خلافت کی سچی مطیع، ہر مالی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی، خاموش طبع بخدمت گزار، بہت نیک اور صالحہ خاتون تھیں۔ پسماندگان میں میاں کے علاوہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا یادگار چھوڑے ہیں۔

مکرم عبدالسلام ٹاک صاحب

مکرم عبدالسلام ٹاک صاحب (سرینگر، کشمیر) مورخہ 27 دسمبر 2016ء کو 96 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ مرحوم کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ مرحوم کے والد حضرت خواجہ غلام محی الدین صاحب آف یاری پورہ، کشمیر کے ذریعہ ہوا جنہوں نے 1906ء میں بیعت کی۔ بچپن میں ہی والد صاحب کی وفات ہوگئی لیکن نامساعد حالات کے باوجود انہوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ عرصہ برٹش انڈین آرمی میں بھی رہے۔ آپ نے لمبا عرصہ بطور امیر اور زونل امیر سری نگر خدمت کی توفیق پائی۔ سب کے ساتھ بہت شفقت اور پیار کے ساتھ پیش آتے۔ مرحوم بہت سادہ اور عاجز شخصیت کے مالک تھے اور ہر ایک میں خوبیاں تلاش کیا کرتے تھے۔ پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ باقاعدگی سے تہجد ادا کرتے۔ آپ کو قرآن مجید کے کشمیری ترجمہ میں نمایاں خدمت کی توفیق ملی۔ آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت بھی پائی۔ پسماندگان میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں یادگار چھوڑے ہیں۔

مکرم چوہدری نعمت اللہ صاحب

مکرم چوہدری نعمت اللہ صاحب (آف منگورہ سوات۔ حال تلونڈی بھنڈراں ضلع نارووال) مورخہ 13 ر اکتوبر 2016ء کو 68 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ آپ کو مسلسل 24 سال صدر جماعت سوات کے طور پر خدمت کرنے کی توفیق ملی۔ بہت مخلص احمدی تھے۔ خدمت خلق کے کاموں میں اور مالی قربانی میں پیش پیش رہتے تھے۔ بڑی ملنسار شخصیت کے مالک تھے۔ 1998ء میں جماعتی مقدمات کا بھی سامنا رہا جن کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔

مکرمہ محمد بیوی صاحبہ

مکرمہ محمد بیوی صاحبہ (اہلیہ مکرم عمر حیات صاحب آف ادرحماں ضلع سرگودھا مورخہ 24 راگست 2016ء کو 48 سال کی عمر میں وفات پاگئیں۔ آپ نہایت سادہ مزاج اور اچھے اخلاق کی مالک، نیک اور مخلص خاتون تھیں۔ باقاعدگی سے نمازیں ادا کرتی تھیں اور خلافت کے ساتھ بہت گہرا محبت کا تعلق تھا۔

مکرمہ محمودہ ریاض صاحبہ

مکرمہ محمودہ ریاض صاحبہ اہلیہ مکرم سید ریاض احمد ناصر صاحب۔ سرگودھا مورخہ 15 مارچ 2016ء کو 78 سال عمر میں وفات پاگئیں۔ موصوفہ کے دادا مکرم مولوی محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹی اور نانا مکرم ڈاکٹر مرزا محمد افضل بیگ صاحب آف لائل پور حضرت مسیح موعود کے رفیق تھے۔ آپ نمازوں کی پابند، مالی قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی اور کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے والی نیک مخلص خاتون تھیں۔

مکرمہ فرحت جبین صاحبہ

مکرمہ فرحت جبین صاحبہ (اہلیہ مکرم سعید احمد وسیم صاحب۔ دارالنصر وسطی ربوہ مورخہ 31 جولائی 2016ء کو 65 سال کی عمر میں وفات پاگئیں۔ آپ نمازوں کی پابند، جماعتی ذمہ داریوں کو احسن رنگ میں ادا کرنے والی، غرباء سے ہمدردی اور حسن سلوک رکھنے والی بہت مخلص خاتون تھیں۔ چِپ بورڈ فیکٹری جہلم میں بطور نائب صدر لجنہ خدمت کی توفیق پائی۔

مکرمہ صغریٰ بیگم صاحبہ

مکرمہ صغریٰ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم محمد شریف صاحب دارالصدر غربی ربوہ مورخہ 5 دسمبر 2015ء کو 82 سال کی عمر میں وفات پاگئیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصیہ تھیں۔ جماعتی خدمات اور مالی قربانی میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی بہت نیک اور مخلص خاتون تھیں۔

مکرمہ زاہدہ سلطانہ ہاشمی صاحبہ

مکرمہ زاہدہ سلطانہ ہاشمی صاحبہ اہلیہ مکرم محمد اکرم خان صاحب۔ دارالصدر شرقی ربوہ مورخہ 12 ستمبر 2016ء کو 80 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ مرحومہ فضل عمر سکول کی ریٹائرڈ ٹیچر تھیں۔ بیماری میں بڑے صبر اور حوصلہ سے زندگی گزاری۔ آپ کے خاوند سلسلہ کے پرانے کارکنوں میں سے ہیں۔ مرحومہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصیہ تھیں۔

عزیزم حمدان محسن

عزیزم حمدان محسن (ابن مکرم محسن بشیر صاحب ساکن بیت التوحید۔ نظر محلّہ، لاڑکانہ) نومولود 15 ر اکتوبر 2016ء کو پیدائش کے 2 دن بعد وفات پاگئے۔ نومولود کے والد قائد مجلس لاڑکانہ شہر اور نائب قائد ضلع رہ چکے ہیں۔ ان کا سارا خاندان ہمیشہ سلسلہ کی خدمت میں پیش پیش رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین سے مغفرت کا سلوک فرمائے اور انہیں اپنی رضا کی جنتوں میں جگہ دے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لواحقین کو صبر کرنے اور ان کی خوبیوں کو زندہ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

محترم پروفیسر ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب

لاہور راہ مولیٰ میں قربان ہوگئے

۞ محترم پروفیسر ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب لاہور ابن مکرم شیخ سلطان احمد صاحب سابق سب انسپکٹر پنجاب پولیس مورخہ 7۔اپریل 2017ء کو لاہور میں نامعلوم شخص کی فائرنگ سے راہ مولیٰ میں قربان ہوگئے۔ آپ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے اپنی کار میں بیت الذکر جا رہے تھے کہ ایک معاند احمدیت نے فائرنگ کرکے شہید کر دیا۔ آپ کی نماز جنازہ مورخہ 8۔اپریل کو صبح 10 بجے دفاتر صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے لان میں محترم ملک خالد مسعود صاحب ناظر اشاعت نے پڑھائی۔ عام قبرستان میں امانتاً تدفین کے بعد بھی محترم ملک صاحب نے ہی دعا کروائی۔ مرحوم موصی تھے۔ مرحوم کے دادا محترم شیخ عبدالقادر صاحب کے ذریعہ ان کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ ہوا۔ شہید مرحوم 1949ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ربوہ سے حاصل کی، لاہور سے ایم ایس سی ویٹرنری کیا اور پروفیسر مقرر ہوئے۔ مرحوم مخلص دوست اور ملنسار تھے۔ بچپن سے ہی جماعتی خدمت کا شوق تھا۔ علمی مقابلوں میں حصہ لیتے۔ سبزہ زار لاہور کے صدر او رنائب زعیم اعلیٰ کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔ اس وقت بطور سیکرٹری دعوت الی اللہ امارت علامہ اقبال ٹاؤن لاہور خدمت کی توفیق پا رہے تھے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک لے پالک بیٹا تھا جس کے دو بچے تھے جو انہیں کے ساتھ لاہور میں رہتے ہیں۔ مرحوم کے 6 بھائی اور ایک بہن ہیں۔ اپنے بہن بھائیوں کو نماز باترجمہ سکھائی، نماز باجماعت کے لئے بھائیوں کو اپنے ساتھ بیت الذکر لے جایا کرتے تھے۔ تعلیم کے حصول میں بھی ان کی مدد کی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 14۔اپریل 2017ء میں آپ کا ذکر خیر فرمایا اور بعد نماز جمعہ آپ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔

حضور انور نے فرمایا مرحوم اللہ کے فضل سے موصی تھے، خلافت سے والہانہ محبت رکھتے تھے، تہجد گزار اور مہمان نواز اور خدمت خلق کرنے والے عہدیداران کی اطاعت کرنے والے نیک مخلص انسان تھے۔ ہمیشہ جماعتی خدمت میں پیش پیش رہتے اور نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔ بلند اخلاق اور ملنسار ہونے کی وجہ سے اپنے سٹوڈنٹ اور ساتھی پروفیسروں میں یکساں مقبول تھے اپنے ساتھ پروفیسروں کو اکثر گھر کھانے پر بلالیا کرتے تھے اور جماعت کا موثر انداز میں تعارف کراتے اس وجہ سے آپ کو بعض اوقات دھمکیاں بھی ملتی تھیں۔ لیکن کبھی پرواہ نہیں کی بلکہ کہا کرتے تھے یہ تو معمولی بات ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ شہید کے درجات بلند کرے اور ان کی اولاد کو بھی ان کے نقش قدم پر چلائے۔ نیکیوں میں آگے بڑھاتا چلا جائے اور مخالفین احمدیت کے بھی جلد پکڑ کے سامان پیدا فرمائے۔